محرم کی ذمہ داریاں اور ہم

عالی جناب کرار حسین رضوی صاحب

ہر سال ماہ محرم کی پہلی تاریخ سے زمانہ عزا کا آغاز ہوجاتا ہے، اس مہینہ کا چاند دیکھتے ہی ہمیں اپنی تخلیق، اور اپنے بقا کی غرض وغایت، اپنی قومی حیثیت، اور حیات وموت ہر حالت میں، اپنا موقف یاد آتا ہے۔ اس مہینہ سے ہمارا کس قدر گہرا تعلق ہے اس سلسلہ میں ہماری کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟ یہ ساری چیزیں ایک ایک کرکے یاد آنے لگتی ہیں ہمارے معتقدات اور ہمارے اعمال، اپنی واضح اور متعین شکل میں نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ مہینہ اور اس کے دس دن ہمارے اصول وفروغ دین پر ایمان کی تجدید، اور اس کے احیاء کے ہوتے ہیں، جب ہماری قوم کے واقف کار اشخاص کے ساتھ ساتھ، ہمارے بہت سے غیر تعلیم یافتہ بھائیوں کو بھی، اپنی حقیقت اور اپنے مقام کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے بچے بھی جان لیتے ہیں کہ ہم کس قوم وملت کی فرد ہیں۔ اس مہینہ میں کون سا ایسا جاں گزا واقعہ ظہور پذیر ہوا تھا، جس کی آج یادگار بنائی جارہی ہے بانی اسلام وخود دین اسلام سے اس واقعہ کو کیا ربط ہے؟ اس معاملہ میں خلاق عالم کی مصلحت کا کون سا راز پوشیدہ تھا؟ ہمارا قلبی لگاؤ اور رابطہ دلی، اس واقعہ کی یادگار سے کیوں ہے؟ فطری اثر پذیری اور معرفت میں کیا فرق ہے، اور اس کے کیا مدارج ہیں؟ یہ ساری چیزیں کسی نہ کسی عنوان سے ہماری مجالس میں زیر غور آتی ہیں، اور ہم میں ایک صحت مند شعور اپنے دینی معتقدات اور اعمال ورسوم عزا کے متعلق پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم میں عشرۂ محرم کے بعد بھی کوئی دینی شعور پیدا نہ ہوا تو ہمیں یہ سمجھنا پڑے گا کہ ہم نے فی الحقیقت محرم اور عزاداری کی حقیقت کو سمجھا ہی نہیں۔

ہمارے اصول دین میں جہاں وحدانیت، عدالت، رسالت اور قیامت کو تسلیم کیا ہے وہاں امامت پر بھی ایمان ہے۔ اور جس طرح امامت کے عقیدہ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح خدائے بزرگ وبرتر کے بھیجے ہوئے پیغامات کی روشنی میں فروغ دین پر عمل بھی واجبات سے ہے۔ ہمیں توحید باری تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ غیر خداؤں کی خدائی سے قطعی انکار ہے، اسی طرح امامت کے مسئلہ میں غیر معصوم، اور خاطی پیشواؤں کی رہبری سے بیزاری پر اصرار کرنا بھی جزء ایمان ہے۔ ہمارا موقف غیر مبہم اور صاف ہے۔ ہم نے اپنے ایمان واعتقاد کے متعلق قطعیت کے ساتھ ایک ایسا واضح راستہ اختیار کیا ہے، جس میں شکوک وشبہات کی نشوونما کی کوئی گنجائش نہیں۔

اب ان واضح اعتقادات کے پیش نظر ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ محرم میں عزاداری کے کیا کیا مقتضیات ہیں، اور ہم پر بحیثیت فرد کے یا من حیث القوم کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس امر میں تو کوئی شک نہیں کہ ہمارا رشتہ سید الشہداء حسینؑ مظلوم صلوٰۃ اللہ وسلام علیہ سے معرفت اور ایمان کا رشتہ ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو امام کی مظلومیت پر محض بحیثیت بشر بربنائے فطرت انسانی متاثر ہوتے ہیں، مگر ہم تو بفضلہ تعالیٰ اس گروہ کے تعلق رکھتے ہیں، جو ان کو اپنا امام جان کر، ان کی مظلومی پر گریاں ہوتے ہیں، اور ان کے تعلیمات اور درس حیات کے سرمایہ کو اپنی قومی میراث مانتے ہیں۔ اسی لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی کارگزاری کی بنا پر اپنے کو شیعہ علیؑ اور شیدائے حسینؑ کے اعلیٰ درجہ کے خطابات کا اہل اور حق دار بنائیں، اور تب ہی ہمارے

لئے یہ خطابات جائز ہوں گے۔

آج ہمیں اپنی ذمہ داریوں کے متعلق کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجئے اور اگر کہیں کوئی ناگوار خاطر بات معلوم ہو تو یہ سمجھ لیجئے کہ نیک نیتی کی شرط کے ساتھ ساتھ اگر کلام میں کچھ سختی آ گئی تو اسے معاف کرنا چاہئے۔

عزا کا ماحول

ہماری عزاداری میں گریہ کو جہاں اس کا جائز مقام دیا گیا ہے، وہاں اور بھی کچھ ضروری امور ہیں، جن کو خفیف سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، مثلاً ہم سمجھتے ہیں کہ مجلسوں کے انعقاد اور شرکت سے ہی ہماری عزاداری مکمل ہو جائے گی، ایسا نہیں ہے۔ عزاداری کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے عادات و اطوار، اپنے گفتار و کردار سے ثابت کریں کہ ہم عزادار ہیں، اور یہ زمانہ کربلا کے خونیں اور المناک واقعہ کی یادگار منانے کا ہے، اور ہم کو اپنے سرکار کے خاندانی غلاموں اور وابستگان دولت کی حیثیت سے اپنے چوتھے امام زین العابدینؑ کو ان کے سردار اور اٹھارہ جوانان عقیلی وجعفری اور منتخب روزگار اصحاب کی غمناک شہادت، اور عظیم الشان قربانیوں پر اپنا ہدیہ تعزیت پیش کرنا ہے۔ یہ تو اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم داخلی اور خارجی دونوں حالتوں میں عزا کا ماحول پیدا کریں، اور ہم اور ہمارے گھر کے بچے اور عورتیں اپنے کھانے پینے، لباس و وضع قطع، اور رہن سہن کے معاملہ میں نمایاں تبدیلی، اور عام دنوں سے الگ ہو کر ایک غم کی فضا قائم کر دیں علی الخصوص کھانے پینے میں اچھے اور لذیذ طعام اور گوشت سے احتراز کریں۔ یہ لائحہ عمل بظاہر تکلیف مالا یطاق کا مصداق معلوم ہوتا ہے۔ مگر جس طرح ماہ صیام کے دنوں میں ہمیں ضبط نفس کا سبق ملتا ہے اور حتی الوسع ہم اس پر عمل بھی کرتے ہیں، اسی طرح اگر ہم اس امر کی طرف خلوص دل سے توجہ کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم ان محترم دنوں میں بیش از بیش عبادت، تلاوت اور اچھی باتوں کی طرف متوجہ رہیں، اور مکارہ سے اجتناب کرنے کی عادت ڈالیں۔

عزاخانہ

عزاخانہ، جہاں تبرکات رکھے جاتے ہیں، اور وہ مقام جہاں مجلس غم برپا کی جاتی ہے، لازم ہے کہ ان کا پورا پورا احترام بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ عزاخانہ میں بلا وضو و بلا طہارت کے کسی کو بھی نہ جانا چاہئے، اور بے شعور بچوں کو علی الخصوص جانے سے روکنا چاہئے اس احتیاط اور خصوصیت کے برتنے سے عزاخانہ کی حرمت، اور اس کے رعب و جلالت کا احساس ہوتا ہے جو اس جگہ کے شایان شان ہے۔ مخصوص عزاخانہ کے اندر جو لوگ جائیں، وہ بلند آواز میں کوئی گفتگو نہ کریں، اگر باتیں کرنی لازمی ہوں تو اشاروں سے، یا دبی زبان میں کہی جائیں۔ مجلس عزا کے شروع ہونے سے قبل یا بعد، کچھ لوگ مجلس کے کمرے میں ٹھہر کر مختلف موضوع پر گفتگو کا سلسلہ چھیڑ دیتے ہیں جو حد درجہ نامناسب بات ہے، سگریٹ، بیڑی کے عادی حضرات کو بھی چاہئے کہ مجلس کی جگہ سے الگ ہٹ کر سگریٹ پی لیا کریں۔ اس سلسلہ میں مناسب ہوگا اگر حسب حال اشعار اور ہدایات کاغذ پر لکھ کر دیواروں پر چسپاں کر دئے جائیں، تاکہ تکلفات اور اخلاق کے جھمیلے سے بچتے ہوئے، لوگ آداب مجلس سے آگاہ ہو جائیں، اور ویسا ہی عمل کریں مجلس حسینؑ میں بیٹھ کر محض نجی اور گھریلو باتیں، اور آپس میں فقرہ بازی سے ہمیں قطعی گریز کرنا چاہئے۔ بعض ایسی معمولی باتیں ہوتی ہیں، جن کا ہمیں مطلق احساس نہیں ہوتا، مگر وہی ہماری شائستگی اور تہذیب، بلکہ خود ہماری عزاداری کے متعلق اکثر غلط اور ناخوش گوار اثر مرتب کرتی ہیں، اور ہمارے انہماک عزاداری کو اغیار کی نظروں میں سبک بنا دیتی ہیں۔

ذاکر

ذاکرین ذوی الکرام کو چاہئے کہ وہ منبر کی اہمیت اور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ ساتھ اپنی گفتگو کو مختصر، مگر موثر بنائیں اور مجلس عزا کو معمولی قومی جلسہ، اور منبر کو خطابت کے لئے عام تقریر کا پلیٹ فارم نہ سمجھیں، فضائل سرکار دوعالم اور اہل بیتؑ

جہاں تک بہتر صورت سے ممکن ہو اپنے سامعین کے گوش گزار کریں، ان ہی کے ذکر سے ہماری دنیا و آخرت دونوں کی درستگی و آرائش وابستہ ہے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ ہر ذاکر کی ایک خصوصیت ہوتی ہے، اور اس کا ایک خاص عنوان بیان ہوتا ہے مگر اپنی اپنی روش پر چلتے ہوئے بھی، حفظ مراتب اور سنجیدگی کا ایک احساس سب ہی میں مشترک ہونا چاہئے اگر ذاکر اپنے بیان میں افادیت کا مقصد سامنے رکھے تو یقیناً وہ پسند کیا جائے گا اور اس کی ذاکری ایک کامیاب ذاکری ہوگی۔

مجھے مناظرہ کی مجلسوں سے قطعی اختلاف نہیں ہے، مگر اس کہنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ مؤرخانہ رنگ میں محض احقاق حق پر اکتفا کی جائے، اور اپنے نفس، اور اپنے سامعین کے تفریحی ذوق کی تسکین کو اپنے بیان کا مطمح نظر نہ بنالیا جائے تو وہ ذاکر اپنی جگہ پر اپنوں اور غیروں سب ہی کے لئے بیشک ایک مفید اور صالح کوشش ہوگی۔ ہمیں اس مجاہدانہ طرز ذاکری میں اپنے مولا اور آقا امیر المومنینؑ کے اس واقعہ جہاد سے سبق لینا چاہئے، جس میں اپنے نفس کی شمولیت کے اندیشہ یا تصور سے، دشمن پر قابو پاکر بھی اس کو چھوڑ دینے کی تعلیم ملتی ہے۔ چبھتے ہوئے فقرات یا تشنیع آمیز جواب سے آپ کسی معترض کو یا اپنے سننے والے کے دل کو مطمئن نہیں کر سکتے، بلکہ اس کے دل کو اور سخت بنا دیتے ہیں آیہ کلام الٰہی قولوا قولاً لّیناً کا حکم جیسا اس وقت تھا آج بھی ہے۔

بحمداللہ ہمارے آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف، مثبت اوصاف کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کو منفی صورتوں سے ثابت کرنے کی ہمارے خیال میں مطلق حاجت نہیں ہے، لاتعداد فضائل اور محامد اور اوصاف والی جلیل القدر ہستیوں کے مقابل، ناچیز افراد کو لانا گویا ان بزرگوں کی توہین کرنا ہے بدنصیب زمانہ کی انتہائی پستی یہی تھی کہ اس نے منبع فضیلت ہستیوں کے مقابلہ میں پست اخلاق والے لوگوں کا لا کھڑا کیا۔

بہت بہتر ہوتا ہمارے علماء اور واعظین اور ذاکرین، قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ اور سیرت آئمہ معصومین علیہ السلام کی روشنی میں، ہماری زندگی، اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرتے ہوئے ہماری اصلاح کی جانب متوجہ ہوتے تا کہ ہماری دنیوی اور اخروی دونوں ہی کی فلاح اور برکت کا سامان بہم ہوسکتا ہے۔ ذاکر کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ وہ سامعین کو ہنسا کر یا رلا کر داد تحسین حاصل کرے، بلکہ اس کی ذمہ داری کا تقاضہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ ہمیں ایمان کے صحیح مفہوم سے روشناس کرائے اور ہمارے معاشرے کو ایک صالح معاشرہ بنانے میں پوری طرح سے معاونت کرے۔ مضمون طویل ہوتا جارہا ہے اور یہ بحث ایک مستقل بیان چاہتی ہے اس لئے ہمیں اس ذکر کو تمام کر کے آگے بڑھنا ہے، بانیان مجالس کی ذمہ داری بھی کچھ کم نہیں ہے، کیونکہ بسا اوقات انہی کی بے جا فرمائش سے متاثر ہوکر ذاکر کو اپنی خواہش کے علی الرغم اپنے بیان کے رخ کو موڑنا پڑتا ہے۔

تبرک

تبرک کے مسئلہ کی اہمیت جیسی پچاس سال پہلے تھی، ویسی اب تو نہیں ہے مگر پھر بھی اس سے بالکل قطع نظر نہیں کیا جاسکتا ہاں اس میں مبالغہ کرنا اقتصادی نقطہ نظر سے ممکن بھی نہیں ہے۔ ایک بات ضرور یہ ہے کہ مخصوص حالات اور افادیت کے پیش نظر بڑوں کے مقابلہ میں غیر قوموں کے افراد کو، اور خاص طور پر لڑکوں کو تبرک کے معاملہ میں ترجیح دینی چاہئے اور اگر استطاعت ہو تو مجلسوں میں امامیہ مشن کے رسائل، ہینڈ بل، پوسٹر اور کلنڈر تقسیم کئے جانا چاہئے۔

جلوس عزا

جلوسوں کے متعلق اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ جسمانی طور پر شریک جلوس ہوکر بھی ذہنی طور پر جلوس کی شرکت سے غیر حاضر رہتے ہیں اور اپنا بیشتر وقت دوستوں اور ملاقاتیوں سے ملنے ملانے اور غیر ضروری باتوں میں گذارنا ضروری سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے کہ اگر ہم کسی ماتمی جلوس میں شرکت کرتے ہیں اور ماتم میں شریک نہیں ہوسکتے تو ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم خاموشی

کے ساتھ جلوس میں شریک رہیں، اگر علم اور تابوت کا جلوس ہے، تو ہمارے بزرگوں کا فرض ہے کہ وہ تابوت اٹھانے کا ذمہ اپنے سر لیں اور نوجوانوں کو ماتم میں شرکت کا پورا موقع دیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جلوس کو بہت منظم طریقہ پر خاموشی کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھایا جائے، تاکہ دیکھنے والوں کو اس جلوس کی سنجیدگی اور اہمیت کا احساس ہو سکے، اور خود بھی مشایعت جنازہ کے احکام کے بموجب نقل وحرکت کا انتظام کریں۔

ہمارے بزرگوں اور بہتر عقل ودانش والے حضرات کو چاہئے کہ جملہ مراسم عزا کو ناتجربہ کار اور ناسمجھ لوگوں کے ہاتھوں میں مطلقاً نہ سونپیں، خود ان ذمہ داریوں کو اپنے ہاتھوں میں لیکر بہتر انتظامات کا نقشہ پیش کریں۔

تبرکات

تبرکات کے متعلق میرا مشورہ ہے کہ موجودہ زمانے کے اقتضا کو دھیان میں رکھتے ہوئے اگر جلوسوں میں محض حضرت عباسؑ کا علم اور تابوت سیدالشہداء کی شبیہیں اٹھائی جائیں تو زیادہ مؤثر اور مناسب ہوں گی۔

تنظیم و اتحاد

بہت سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنی مجالس اور جلوس عزا میں، ایسی متانت اور سنجیدگی کا مظاہرہ کریں، جو غم کے اظہار کے شایان شان ہو، اور مختلف اقسام ذاکری سوز، نوحہ اور مرثیہ میں، ادب و احترام اور قومی وقار کا بلند نظریہ پیش کریں، اور تسابق اور کشمکش کی صورت حال کا جہاں تک ممکن ہو استیصال کرنے کی پوری پوری کوشش کریں، بلکہ اس غم کے محترم دنوں کے طفیل میں، ہم اپنے تمام اختلافات اور باہمی رنجشوں کو دور کرنے کی خلوص دل سے کوشش کریں۔ اور یہ ثابت کردیں کہ ہم ایک ہی سلسلۃ الذہب کی کڑی ہیں، اور ایک ہی آقا اور مولا کے متوسلین کے افراد ہیں، ہمارے اختلافات اور آویزشوں سے یقیناً ان پاک روحوں کو رنج ہوتا ہوگا اور ہماری باہمی محبت اور اخلاص سے ہی اپنے مولا اور آقا کی رضامندی اور حمایت حاصل ہو سکتی ہے۔

آخری ذمہ داری اور فرض:۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا دائرہ اسلام میں رہنا اور سرور کائناتؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پاک پر ایمان رکھنا ہی اس کا مقتضی ہے کہ ہم ان کے بتلائے ہوئے راستہ پر اپنے پیروں پر چل کھڑے ہوں، اور غیر اقوام کی طرح صرف اسلام کی ہدایتوں اور اسلام کے ہادیوں کی تعریف کرنے پر ہی اکتفانہ کریں، بلکہ صحیح اتباع کی کوشش کریں یہ ضرور ہے کہ اس راہ میں ہمیں اپنی بہتری آسائشوں اور لذت نفس سے متعلق نظریات کو بدلنا پڑے گا، مگر کرنا تو یہی ہے۔ جب تک ہم اسلام کے حلقہ بگوش ہونے سے قطعی طور پر مستغنی نہیں ہوتے، ہم پر فرض ہے کہ دین اسلام کے اصول وفروع پر عمل پیرا ہو کر اپنی رکنیت کا ثبوت دیں، ورنہ قدم قدم پر جھڑکیاں سننی بھی پڑیں گی۔

اگر ہم اور آپ اسلام کو ایک مستقل نظام زندگی کی حیثیت سے نہیں مانتے، تو خداوند عالم کو ہمارے نماز، روزہ اور عزاداری اور اصول اسلام کی منافقانہ تسلیم کردگی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلام ایک مکمل نظام زندگی، ایک مخصوص تمدن اور ایک خاص تہذیب کے ضابطہ کا نام ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو مکہ کے مشرکین کو اللہ کے نام سے کوئی ضد نہیں تھی۔ اختلاف کی وجہ تو یہ ہوئی کہ اسلام نے تصوراتی عقائد کو کافی نہیں بتلایا، بلکہ ایسا مستقل دستور اساسی پیش کیا، جو زندگی کے جملہ شعبوں پر حاوی تھا، اور مصیبت کی بات یہ تھی کہ دولت اور عزت کی مسلمہ اہمیت کو خاک میں ملا کر اسلام نے انسانی برادری کا جو تصور پیش کیا، اس میں اپنے جھوٹے غرور اور نمائش، اور عزت کے مقابلہ میں، عامۃ الناس اور برادر دینی کے لئے تمامی اخوت اور ایثار کا ایسا طریقہ بتلایا، جس میں نفسانیت اور خود پسند طبیعت کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

ایسی صورت میں ہمیں اپنے ظاہری اور باطنی حالات کا جائزہ لینا چاہئے اور اپنے عمل اور کردار سے مسلمان اور حسینی ہونے کا ثبوت دینا چاہئے۔

(سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن، لکھنؤ نمبر ۲۰۴ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ)

❁❁❁